

آبِ حیات کا انٹرویو



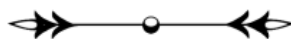
ابوعمار زاید الراشدی

الشریعہ اکادمی
گوجرانوالہ، پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آبِ حیات کا انٹرویو



ابوعملمنراہد الراشدی



الشريعة اکادمی
گوجرانوالہ، پاکستان



www.alsharia.org

جملہ حقوق محفوظ

کتاب آپ حیات کا انٹرویو

تالیف ابوعمار زہد الراشدی

ناشر الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، پاکستان

اشاعت مئی ۲۰۲۳ء

ڈاؤن لوڈ

zahidrashdi.netlify.app

فہرست عنوانات

- 5.....پیش لفظ
- 6.....خاندانی پس منظر
- 6.....دینی و دنیاوی تعلیم
- 7.....عملی زندگی کا آغاز
- 7.....دینی و معاشرتی مصروفیات
- 9.....جماعتوں اور تحریکوں میں کردار
- 10.....پاکستان شریعت کونسل کے اغراض و مقاصد
- 11.....قید و بند کے مراحل
- 11.....دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کی اصلاح
- 12.....عصری نظامِ تعلیم کا رُخ
- 13.....پاکستان کی سیاسی صورتحال
- 13.....امریکہ کا سانحہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء
- 15.....تہذیبی جنگ اور اقوامِ متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر
- 16.....مسلمانوں کے زوال کے اسباب
- 16.....پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ
- 17.....موجودہ دور کی تحدّیات اور علماء کرام
- 17.....ذرائع ابلاغ کی ضرورت و اہمیت
- 18....."آپ حیات" کے بارے میں رائے

پیش لفظ

لاہور سے شائع ہونے والے ایک دینی جریدہ ماہنامہ آبِ حیات کی طرف سے گزشتہ دنوں ماہنامہ الشریعہ کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی سے ایک انٹرویو لیا گیا جو مذکورہ جریدہ کے جنوری ۲۰۰۵ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ یہ انٹرویو آبِ حیات کے شکریہ کے ساتھ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

مدیر الشریعہ
فروری ۲۰۰۵ء

خاندانی پس منظر

سوال: سب سے پہلے تو ہم آپ کو اپنے رسالہ ماہنامہ آب حیات کی انتظامیہ کی جانب سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ اب آپ اپنے خاندانی پس منظر کے حوالے سے کچھ بتائیں۔

جواب: ہمارا تعلق ضلع مانسہرہ، ہزارہ میں آباد سواتی خاندان سے ہے جس کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں نقل مکانی کر کے ہزارہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ہمارے دادا نور احمد خان مرحوم شکیاری سے آگے کرٹمنگ بالا کے قریب چیرٹاں ڈھکی میں رہتے تھے اور زمینداری کرتے تھے۔ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ العالی چھوٹے بچے تھے کہ ان کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ یہ دونوں حضرات دینی تعلیم کی طرف آگئے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر پنجاب کے مختلف مدارس، بالخصوص مدرسہ انوار العلوم، مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں درس نظامی کا بڑا حصہ پڑھا۔ ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ والد محترم ۱۹۴۳ء سے لکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں مقیم ہیں۔ میری ولادت ۱۹۴۸ء میں ۲۸ اکتوبر کو ہوئی۔ میری والدہ محترمہ کا تعلق راجپوت خاندان سے تھا اور ہمارے نانا مرحوم مولوی محمد اکبر صاحب گوجرانوالہ میں ریلوے اسٹیشن کے قریب تالاب دیوی والا، رام بستی کی ایک مسجد کے امام تھے۔

دینی و دنیاوی تعلیم

سوال: اپنی دینی و دنیاوی تعلیم کے بارے میں ضروری معلومات سے آگاہ کریں۔

جواب: میں نے قرآن مجید لکھڑ کے مدرسہ تجوید القرآن میں مختلف اساتذہ کرام سے حفظ کیا جس میں سب سے آخری اور بڑے استاد محترم قاری محمد انور صاحب ہیں جو کہ آج کل مدینہ

منورہ میں تحفۃ القرآن کے استاد ہیں۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو میرا حفظ مکمل ہونے پر گکھڑ کی جامع مسجد میں جو تقریب ہوئی، اس میں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواسی، حضرت مولانا قاری فضل کریم اور حضرت مولانا قاری محمد حسن شاہ صاحب نے شرکت فرمائی تھی اور میں نے آخری سبق ان بزرگوں کو سنایا تھا۔ درسِ نظامی کے بڑے حصہ کی تعلیم میں نے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حاصل کی اور میرے اساتذہ میں حضرت والد محترم مدظلہ اور حضرت عم مکرم مدظلہ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ، حضرت مولانا قاضی محمد اسلم صاحب، حضرت مولانا قاضی عزیز اللہ صاحب اور حضرت مولانا جمال احمد بنوی مظاہری مدظلہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم سے میں نے فراغت حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز

سوال: عملی زندگی میں کب اور کیسے قدم رکھا؟

جواب: دورانِ زمانہ طالب علمی مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں حضرت مولانا مفتی عبد الواحد صاحب کی معاونت کے لیے بطور نائب خطیب میرا تقرر ہو چکا تھا، جبکہ اس سے قبل کم و بیش دو سال تک گتہ مل راہوالی کی کالونی کی مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتا رہا ہوں۔ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے مدرسہ انوار العلوم میں ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء تک درسِ نظامی کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتا رہا ہوں۔

دینی و معاشرتی مصروفیات

سوال: اپنے دینی کام اور معاشرتی مصروفیات پر روشنی ڈالیں۔

جواب: ۱۹۸۲ء میں مولانا مفتی عبدالواحد کی وفات کے بعد مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے مستقل خطیب کی حیثیت سے میں نے ذمہ داری سنبھال لی تھی جو کہ بحمد اللہ تعالیٰ اب تک حسب استطاعت نباہ رہا ہوں۔ مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں تقریباً ۲۰ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتا رہا ہوں جبکہ گزشتہ چھ سات سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریسی خدمات

میرے سپرد ہیں اور والد محترم مدظلہ کی معذوری کے بعد صدارتِ تدریس اور نظامتِ تعلیمات کا بوجھ بھی میرے ناتواں کندھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں ۱۹۸۹ء میں مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں الشریعہ اکادمی قائم کی جس کا مقصد دعوتِ اسلام اور دینی تعلیم کے حوالے سے عصری تقاضوں کو اجاگر کرنا اور ان کی طرف دینی حلقوں کو توجہ دلانا تھا۔ بعد میں جی ٹی روڈ پر کنگنی والا بانی پاس کے قریب ہاشمی کالونی میں ایک کنال زمین کسی دوست نے وقف کر دی جہاں باقاعدہ عمارت تعمیر کر کے تعلیم و تربیت کا ایک نظام قائم ہے اور مختلف کلاسوں کے علاوہ درس نظامی کے فضلاء کی ایک سالہ کلاس اس وقت زیر تعلیم ہے جس میں اس سال تیرہ علماء کرام شریک ہیں جنہیں انگریزی و عربی زبانوں اور کمپیوٹر ٹریننگ کے علاوہ بین الاقوامی قانون، تقابلِ ادیان، تاریخِ اسلام اور حجۃ اللہ البالغہ کے منتخب ابواب کی تعلیم کے ساتھ سیاست، معیشت اور نفسیات کے مضامین کا تعارفی مطالعہ کرایا جاتا ہے اور تحقیق و مطالعہ کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء سے ماہنامہ الشریعہ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جسے علمی حلقوں میں بحمد اللہ تعالیٰ توجہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کام میں میرے دو بڑے معاون حافظ محمد عمار خان ناصر اور مولانا حافظ محمد یوسف ہیں۔ عمار خان ناصر میرا بیٹا ہے جو نصرۃ العلوم کا فاضل اور اس میں درسِ نظامی کا مدرس ہے، اس نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ تحقیق و مطالعہ کے ذوق سے بہرہ ور ہے۔ مولانا حافظ محمد یوسف بھی نصرۃ العلوم کے فاضل ہیں اور درسِ نظامی کے علاوہ انگلش کے بھی اچھے استاد ہیں۔

صحافتی زندگی میں طالب علمی کے دوران ۱۹۶۵ء میں روزنامہ وفاق لاہور کے نامہ نگار کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اس کے بعد جمعیتِ علماء اسلام کے آرگن ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کے ساتھ تعلق رہا اور متعدد بار کئی برس تک ایڈیٹر کے طور پر بھی فرائض سرانجام دیے۔ روزنامہ پاکستان اسلام آباد اور روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں کئی سال مستقل کالم نگار کے طور پر وابستہ رہا اور ”نوائے قلم“ کے نام سے ہفتہ وار کالم لکھتا رہا، اب یہ کالم روزنامہ پاکستان لاہور میں لکھ رہا ہوں، جبکہ روزنامہ اسلام لاہور میں بھی ”نوائے حق“ کے عنوان سے ہفتہ وار

کالم لکھتا ہوں۔

بیرون ملک ختم نبوت کانفرنسوں اور ورلڈ اسلامک فورم کی سرگرمیوں کے علاوہ دیگر تعلیمی، دعوتی اور مطالعاتی مقاصد کے لیے کئی ممالک میں جانا ہوا جن میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مصر، بھارت، بنگلہ دیش، ایران، افغانستان، ازبکستان، ترکی، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور کینیڈا شامل ہیں۔ مدرسہ نصرۃ العلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران شعبان المعظم اور اس کے ساتھ رمضان المبارک کا کچھ حصہ برطانیہ اور امریکہ میں تعلیمی سرگرمیوں میں مصروفیت رہتی ہے اور متعدد دینی اداروں سے مشاورت اور معاونت کا تعلق ہے۔

جماعتوں اور تحریکوں میں کردار

سوال: آپ نے کون سی جماعتوں اور تحریکوں میں سرگرم کردار ادا

کیا؟

جواب: سیاسی و تحریکی ذوق طالب علمی کے دور سے ہے۔ جمعیتہ طلبائے اسلام پاکستان کو منظم کرنے میں حصہ لیا اور جمعیتہ علماء اسلام میں بتدریج شہر، ضلع، صوبہ اور مرکزی سطح پر سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا۔ مرکزی سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے میرا انتخاب حضرت مولانا مفتی محمود کی تجویز پر ہوا اور پھر ان کی وفات تک ان کی معاون ٹیم کے ایک متحرک رکن کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۳ء کی تحریک ختم نبوت میں عملی حصہ لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۸۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مرکزی مجلس عمل کے سیکرٹری اطلاعات کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد قائم ہوا تو اس کی دستور ساز اور منشور ساز کمیٹیوں اور پارلیمانی بورڈ میں، جمعیتہ کی نمائندگی کی۔ پنجاب کا قومی اتحاد کا نائب صدر اور پھر سیکرٹری جنرل رہا۔ ۱۹۸۸ء میں اسلامی جمہوری اتحاد قائم ہوا تو اس میں بھی دستور ساز اور منشور ساز کمیٹیوں میں جمعیتہ علماء اسلام (درخواستی گروپ) کی نمائندگی کی اور صوبائی نائب صدر رہا۔

ملکی سیاسیات کے حوالہ سے اب بھی جمعیتہ علماء اسلام پاکستان سے وابستہ ہوں اور اس کا

باقاعدہ رکن ہوں مگر متحرک کردار سے کنارہ کش ہوں، البتہ عملی سیاست سے ہٹ کر فکری اور نظریاتی کام کے حوالے سے حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی کے ساتھ مل کر ”پاکستان شریعت کونسل“ کے نام سے ایک فکری فورم قائم کر رکھا ہے۔

گزشتہ عشرہ کے اوائل میں لندن میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے ساتھ مل کر عالمی سطح پر ایک فکری اور علمی فورم ”ورلڈ اسلامک فورم“ کے نام سے قائم کیا جو کہ علمی اور فکری میدان میں عصر حاضر کے تقاضوں کا احساس اجاگر کرنے میں مصروف ہے اور اس کی سرگرمیوں کا دائرہ برطانیہ، بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ اس وقت مولانا منصوری اس کے چیئرمین جبکہ میں سیکرٹری جنرل کے طور پر کام کر رہا ہوں۔

پاکستان شریعت کونسل کے اغراض و مقاصد

سوال: پاکستان شریعت کونسل بنانے کی وجہ، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی کارکردگی پر روشنی ڈالیں۔

جواب: جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، پاکستان شریعت کونسل کے قیام کا مقصد عملی سیاست سے ہٹ کر خالصتاً فکری اور نظریاتی کام کے حوالے سے جدوجہد کرنا ہے۔ پاکستان شریعت کونسل کے ذریعے اسلامائزیشن اور دیگرملی و دینی مسائل کے بارے میں دینی حلقوں کو متوجہ کرنے اور رابطہ کا ماحول قائم رکھنے کے لیے ہم سرگرم عمل رہتے ہیں۔ پاکستان شریعت کونسل میں ہمارے ساتھ مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا قاری جمیل الرحمن اختر، مولانا عبدالرشید انصاری، مولانا سیف الرحمن اراکین، مولانا عبدالعزیز محمدی، مولانا میاں عصمت شاہ کا کانہیل، مولانا سخی دادخوستی، مولانا قاری محمد الیاس، مولانا محمد نواز بلوچ، مولانا صلاح الدین فاروقی، جناب احمد یعقوب چوہدری، حاجی جاوید ابراہیم پراچہ اور دیگر بہت سے اجاب شریک ہیں اور مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستگی رکھتے ہوئے بھی ہم علمی و نظریاتی کاموں کے لیے باہمی مشاورت سے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں اور ہمارا دائرہ کاریہ ہے کہ کوئی مسئلہ سامنے آئے تو اس کے بارے میں متعلقہ لوگوں کو توجہ دلائی جائے، مسئلہ کی نوعیت کو بریفنگ

رپورٹ کی صورت میں واضح کیا جائے اور اس کے حل کے لیے مشترکہ محنت کی راہ ہموار کی جائے۔ اس سے زیادہ کوئی کام ہم اپنے ذمہ نہیں لیتے اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بھی مسئلہ ہو، اس کے متعلقہ لوگوں کو متحرک کر کے اس کے لیے جدوجہد کی راہ نکالی جائے اور ان سے حتیٰ الوسع تعاون کیا جائے۔

قید و بند کے مراحل

سوال: کیا کبھی قید و بند کی نوبت بھی پیش آئی؟

جواب: تحریک ختم نبوت، تحریک نظامِ مصطفیٰ، گوجرانوالہ میں مسجد نور کو محکمہ اوقاف سے واگزار کرانے کی تحریک اور دیگر متعدد تحریکات میں حصہ لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بھٹو دور میں کئی بار جیل یا ترائی۔ مسجد نور کی تحریک میں کم و بیش چار ماہ اور تحریک نظامِ مصطفیٰ میں ایک ماہ جیل کاٹی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد بار تھوڑی مدت کے لیے جیل جانے کا موقع ملا۔

دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کی اصلاح

سوال: دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کی اصلاح کے بارے میں آپ کا کیا نقطہ نظر ہے؟

جواب: دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کے بارے میں ایک عرصہ سے اس رائے کا اظہار کر رہا ہوں کہ دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کا بہر حال تحفظ ہونا چاہیے اور انہیں کسی قسم کی سرکاری سرپرستی اور امداد قبول نہیں کرنی چاہیے۔ نیز دینی مدارس کو اپنے بنیادی اہداف میں بھی کوئی تبدیلی قبول نہیں کرنی چاہیے اور انہیں معاشرے میں دینی تعلیم کے فروغ، اسلامی روایات و اقدار کے تحفظ اور دینی خدمت کے لیے رجالِ کار کی فراہمی کے کام پر ہی بنیادی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔ البتہ اپنے اہداف و مقاصد کے حوالے سے انہیں آج کی ضروریات اور تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے ان کی روشنی میں تعلیمی نصاب و نظام میں مناسب ترامیم اور

تبدیلیوں سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: آپ دینی مدارس کے نصاب میں عصری نصاب کی شمولیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ نیز حکومت مدارس کے نصاب میں تبدیلی چاہتی ہے، جبکہ مدارس اس کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ عام آدمی یہ جاننا چاہتا ہے کہ مدارس یہ مزاحمت کیوں کر رہے ہیں، جبکہ وہ ان مضامین کو داخل نصاب کرتے چلے جا رہے ہیں جو حکومت چاہتی ہے۔

جواب: دینی نصاب تعلیم میں انگلش زبان، کمپیوٹر ٹریننگ، بین الاقوامی قانون، تقابل ادیان، مغربی فلسفہ و تہذیب، تاریخ اسلام اور ان جیسے دیگر ضروری مضامین کا اضافہ ایک ناگزیر ضرورت ہے جس سے صرف نظر کے نقصانات مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اساتذہ کی فنی اور فکری تربیت کے نظام و نصاب کی بھی ضرورت ہے جس کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

عصری نظام تعلیم کا رخ

سوال: پاکستان کے عصری نظام تعلیم اور عصری اداروں پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب: عصری نظام تعلیم کا دوسرے سے کوئی رخ ہی متعین نہیں ہے اور نہ ہی لہداف طے ہیں۔ وقت کی حکومت اسے اپنے رجحانات کے مطابق جس طرف گھینچنا چاہتی ہے، کھینچتی رہتی ہے۔ اسی کشمکش میں اس کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا ہے اور اب تو اسے آغا خان فاؤنڈیشن کے ذریعے سے عالمی سیکولر ایجوکیشنل سسٹم کا تابع فرمان بنانے کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں جس پر عمل درآمد کی صورت میں ہمارے قومی تعلیمی نظام و نصاب میں باقی ماندہ اور رہی سہی دینی علامات و روایات بھی ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ بد قسمتی سے ہماری دینی جماعتوں کے نزدیک اس مسئلہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے ان کی تگ و دو اور سرگرمیوں میں عصری تعلیمی نظام پر نظر اور خرابیوں کی نشاندہی و اصلاح کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا۔

پاکستان کی سیاسی صورتحال

سوال: پاکستان کی سیاسی صورتحال کے بارے میں آپ کیا کہتے

ہیں؟

جواب: ملک میں قومی سیاست کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ گروہی، طبقاتی اور علاقائی سیاست کی گرم بازاری ہے۔ مختلف طبقات اور گروہ اپنے اپنے مفادات کی سیاست کر رہے ہیں اور اجتماعی و قومی سیاست کا کوئی ماحول آج تک قائم نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے قومی معاملات پر سیاست دانوں کی گرفت نہیں ہے اور وہ دیگر طاقتور قوتوں کے آلہ کار سے زیادہ کوئی کردار اپنے لیے حاصل نہیں کر سکے۔ سیاست دانوں کی اپنی نااہلی کے ہاتھوں ہم قومی خود مختاری سے محروم ہو چکے ہیں اور ہمارے معاملات کا کنٹرول ہمارے پاس نہیں رہا۔ دینی سیاست کی علمبردار جماعتیں بھی اصولی اور نظریاتی سیاست کے بجائے معروضی سیاست پر آگئی ہیں اور اس کان نمک میں وہ بھی نمک ہی ہوتی جا رہی ہیں۔ اس وقت ہماری سب سے بڑی ضرورت قومی خود مختاری کی، بحالی اور سیاسی اداروں کا استحکام ہے، مگر کوئی اس کے لیے آواز اٹھانے اور قربانی دینے کو تیار نہیں ہے۔ ہمارے سیاسی ادارے بلکہ ریاست کے دیگر بنیادی ستون بھی اندھی طاقت کی بھیڑ میں پھنسل کر رہ گئے ہیں اور قومی خود مختاری، سیاسی مفادات کے دھند لکوں میں غائب ہو گئی ہے۔

امریکہ کا سانحہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء

سوال: نائن الیون کے حادثے کے بعد پاکستان نے جو اپنی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں پر یوٹرن لیا ہے اور پرویز مشرف نے جو دینی و مذہبی جماعتوں اور اداروں کے متعلق سخت رویہ اپنایا ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: نائن الیون کے حادثے کے بعد جنرل پرویز مشرف نے خارجہ پالیسی میں جو یوٹرن لیا ہے اور داخلی طور پر دینی قوتوں کو دبانے اور کرش کرنے کی جو پالیسی اختیار کی ہے، وہ ایک

طویل پروگرام کا حصہ ہے۔ اس میں کسی یا نرمی کا سر دست کوئی امکان نظر نہیں آ رہا، بلکہ اس لہجہ کے مختلف نئے تقاضے سر اٹھاتے جا رہے ہیں۔ دینی حلقوں کو اس امتحان سے بہر حال گزرنا ہوگا اور صبر و حوصلہ کے ساتھ آنے والے حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس وقت ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور اکابر نے دین اور ملت کے حوالے سے جو ورثہ ہم تک پہنچایا ہے، ہم اسے کسی نقصان کے بغیر اگلی نسلوں تک منتقل کر دیں اور اسے اس کی اہمیت اور نزاکتوں کا صحیح طور پر احساس دلا دیں۔ اگر ہم ایسا کر پائے تو یہ اس مشن میں ہماری کامیابی اور سرخ رونی متصور ہوگی۔ اس سے زیادہ ہمیں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: اس وقت دنیا بھر میں دہشت گردی کی وجہ اور محرکات کیا

ہیں؟

جواب: اس وقت جس عمل کو دنیا میں دہشت گردی کہا جا رہا ہے، وہ خود امریکا کا پیدا کردہ ہے۔ امریکہ نے افغانستان میں روس کے خلاف جنگ کے لیے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اسلحہ کی ٹریننگ دی اور روسی جارحیت کے خلاف افغان عوام کی مزاحمتی جنگ کو جہاد تسلیم کرتے ہوئے اس کی سیاسی و عسکری سرپرستی کی۔ اب وہی لوگ مختلف علاقوں میں امریکی بالادستی کے خلاف برسر پیکار ہیں تو انہیں دہشت گرد کہا جا رہا ہے۔ ایک امریکی دانشور نے مجھ سے کہا کہ پاکستان کے دینی مدارس میں جہاد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ بالکل درست بات ہے کہ ہمارے ہاں جہاد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم ہم نے دی ہے مگر عملی ٹریننگ تم نے دی ہے اور اسے عملی عسکریت کا رخ تم لوگوں نے دکھایا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں جہاں بھی جہاد کی کارروائیاں ہو رہی ہیں، جنہیں دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو اس کی عملی ٹریننگ کا نسب نامہ امریکہ سے جاملتا ہے۔ اسلحہ اور اس کی ٹریننگ کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے مگر امریکہ اس بات کو قبول کرنے کی اخلاقی جرات سے محروم ہے اور اس کی ذمہ داری بھی دینی مدارس کے کھاتے میں ڈال کر دنیا کے سامنے سرخرو ہونا چاہتا ہے۔

تہذیبی جنگ اور اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر

سوال: اس وقت امریکہ کی سربراہی میں لڑی جانے والی جنگ دو تہذیبوں کے باہمی تصادم کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ مستقبل قریب میں اس کی کیا صورتحال ہوگی اور عالمی امن پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

جواب: اس وقت دنیا میں جو تہذیبی جنگ مسلسل آگے بڑھ رہی ہے، اس کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب مغربی ممالک نے اقوام متحدہ کے نام سے انسانی حقوق کا چارٹر یکطرفہ طور پر منظور کر کے اسے ساری دنیا کے لیے لازمی قرار دے دیا تھا۔ یہ چارٹر اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہے اور قرآن و سنت کے بیسیوں احکامات کی نفی کرتا ہے، لیکن اسے آج کی دنیا میں انسانی حقوق کا واحد معیار قرار دے کر اسلامی دنیا پر اسے قبول کرنے کے لیے دباؤ بڑھایا جا رہا ہے۔ اس کی بنیاد پر اسلامی تعلیمات کے خلاف لائنگ اور پراپیگنڈا کی ہمہ گیر مہم جاری ہے اور اسی کے حوالے سے قرآن و سنت کے احکام اور مسلمانوں کی دینی روایات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ یہ ایک طرف تہذیبی جنگ اور دوسری طرف ثقافتی یلغار ہے جس میں سب کچھ ایک ہی طرف سے ہو رہا ہے۔ دوسری طرف مکمل سنٹا ہے، خاموشی ہے اور خود سپردگی کا مکروہ منظر ہے۔ صرف دینی حلقے اور غریب مسلمان اس حد تک میدان میں کھڑے ہیں کہ وہ اس یلغار کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور مغرب کی تہذیبی بالادستی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے کیمپ کی طرف سے اور کیا ہو رہا ہے؟ یہ انہی دینی حلقوں اور غریب مسلمانوں کی مزاحمتی مدافعت کی برکت ہے کہ مقابلے کی کچھ فضائیں بنی ہوئی ہے، ورنہ جہاں تک مسلمان ملکوں کے حکمران گروہوں، بالادست طبقات اور دانشوروں کا تعلق ہے، اگر ان کے بس میں ہوتا وہ دینی روایات، اسلامی اقدار اور ملی ورثہ کا لباس اتار کر کب کے اس حمام میں ننگے ہو چکے ہوتے۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

سوال: مسلمانوں کے موجودہ زوال کے اسباب کیا ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے میرے نزدیک سب سے نمایاں

باتیں تین ہیں:

1. خلافتِ راشدہ کے بعد ہم کوئی مستحکم سیاسی نظام قائم نہیں کر سکے۔ خلافتوں کا وجود غنیمت تھا، لیکن ان کی بنیاد طاقت اور خاندانوں پر رہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے قیام کو عام مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور رائے عامہ پر اعتماد کیا تھا، مگر ہم اس روایت کو قائم نہ رکھ سکے جبکہ یورپ نے اسے اپنا لیا۔
2. خلافتِ راشدہ میں فلاحی اور رفاہی ریاست کا جو تصور جاگ رہا تھا، ہم اس کا تسلسل قائم نہ رکھ سکے اور یہ روایت بھی ہم سے یورپ نے چھین لی۔
3. سائنس اور ٹیکنالوجی میں یورپ کو پیش قدمی کا راستہ دکھا کر خود ہم اس راہ سے ہٹ گئے اور میدانِ یورپ کے حوالے کر دیا جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے اور اس میدان میں مغرب سے پیچھے رہ جانے کی سزا ادا جانے ہم کب تک بھگتتے رہیں گے۔ اس شعبہ میں ہماری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ عسکری قوت تو رہی ایک طرف، ہم اپنی روزمرہ ضرورت کی اشیاء خود تیار کرنے سے قاصر ہیں اور خود اپنے وسائل سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور نہیں ہیں۔

پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ

سوال: پاکستان کے پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ختم کرنے پر آپ

کے کیا ریمارکس ہیں؟

جواب: یہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کو ختم کرنے اور قادیانیوں کے خلاف دستوری

فیصلہ کو غیر موثر بنانے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے اور ملک کے دینی حلقوں کو اس پر حکومت

سے موثر احتجاج کرنا چاہیے۔ بین الاقوامی لابیوں اور غیر ملکی این جی اوز ایک عرصہ سے اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان کے دستور میں شامل اسلامی دفعات اور خاص طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے جمہوری فیصلے کو غیر موثر بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافے کا مطالبہ منظور نہیں کیا جا رہا اور اب پاسپورٹ سے بھی مذہب کا خانہ حذف کر دیا گیا ہے جو کہ ملک کے نظریاتی تشخص اور دستور کی اسلامی دفعات سے انحراف ہے۔

موجودہ دور کی تحدیات اور علماء کرام

سوال: آج کے ماحول میں ہمیں کون کون سے چیلنج درپیش ہیں اور علماء کرام کو اس سلسلہ میں کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

جواب: آج امت مسلمہ کو آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، چاروں طرف سے دشمنان اسلام کی یلغار کا سامنا ہے۔ اس سلسلے میں بہت کچھ کہنے کی ضرورت اور گنجائش ہے۔ علماء کرام دینی کارکنوں سے میری یہی گزارش ہے کہ دینی جدوجہد سے لاتعلق نہ رہیں، کیونکہ اس دور میں، اس ماحول میں دین کی جدوجہد سے کلیتاً لاتعلق رہنے میں مجھے ایمان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ جس شعبہ میں آپ آسانی سے کام کر سکتے ہیں، وہاں کریں، لیکن دینی جدوجہد میں خاموش تماشائی نہ بنیں۔ جو شخص دین کے جس شعبے میں اور دینی جدوجہد کے جس محاذ پر کام کر رہا ہے، اسے کام کرنے دیں۔ اس کی مخالفت نہ کریں، حوصلہ شکنی نہ کریں، آپس میں رابطہ اور مشاورت کا ماحول بنائیں، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں۔ اسی سے قوت پیدا ہوگی اور باہمی اعتماد بڑھے گا۔

ذرائع ابلاغ کی ضرورت و اہمیت

سوال: میڈیا کی طرف ہمارے دینی طبقہ کا رجحان کم ہے اور لادین طبقہ پوری طرح میڈیا پر چھایا ہوا ہے۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے پوری طرح دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ایک طرف اسلامی عقائد و احکام اور قوانین کے متعلق پروپیگنڈا ہوتا ہے۔ دوسری طرف دینی قوتوں اور اسلامی تحریکات کی کردار کشی کی مہم جاری ہے اور انہیں دہشت گرد اور بنیاد پرست قرار دے کر ان کے خلاف پوری دنیا میں نفرت کا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے۔ تیسری طرف بے حیائی، ناچ گانا، عریانی اور سفلی خواہشات کو ابھار کر نئی نسل کو اخلاقی طور پر تباہ کیا جا رہا ہے۔ اس یلغار کا سامنا بھی اہل حق ہی نے کرنا ہے اور یہ بھی علماء کرام اور دینی مراکز کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

دینی صحافت سے تعلق رکھنے والے حضرات کے حوالے سے میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ان کے درمیان مشاورت اور تبادلہ خیال کا کوئی ایسا نظم ضرور قائم ہونا چاہیے جس کے تحت دینی جرائد کے مدیران گرامی اور قلم کار حضرات وقتاً فوقتاً مل بیٹھیں، مسائل پر باہمی تبادلہ خیالات کریں، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں، باہمی تقسیم کار کے ذریعہ مختلف شعبوں میں کام کی صف بندی کریں اور ایک دوسرے کو مختلف حوالوں سے سپورٹ کریں۔

"آبِ حیات" کے بارے میں رائے

سوال: "آبِ حیات" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: ماہنامہ آبِ حیات وقتاً فوقتاً میری نظروں سے گزرتا رہتا ہے اور میں مولانا محمود الرشید حدوٹی کی صلاحیتوں اور جوشِ عمل کا معترف ہوں۔ وہ جس حوصلہ اور جذبات کے ساتھ دینی حلقوں کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں، وہ قابلِ داد ہے اور اس سے نوجوان علماء کرام کو حوصلہ ملتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت مولانا محمود الرشید حدوٹی اور ان کے رفقاء کرام کے حوصلہ اور عزائم میں برکت دیں اور ذوق، سلیقہ، توفیق، قبولیت اور نتائج و ثمرات سے بہرہ ور فرماتے رہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

سوال: "آبِ حیات" پڑھنے والوں کے نام کوئی پیغام؟

جواب : ماہنامہ آبِ حیات ایک مقدس اور اصلاحی تحریک ہے۔ قارئین اس کو پھیلانے کی حتی الوسع کوشش کریں۔ خود بھی پڑھیں اور اپنے متعلقین کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔

آبِ حیات : ہم اپنی طرف سے، مدیر اعلیٰ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب اور ادارہ ’آبِ حیات‘ کی جانب سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی قیمتی مصروفیات میں سے ہم کو وقت دیا۔



حضرت
مولانا
ابوعمار
میرزا اسد اللہ شاہ

خطیب مرکزی جامع مسجد
گوجرانوالہ، پاکستان



www.zahidrashdi.org